© rasailojaraid.com

دامادی کا شرف عطا فرمایا تھا، نہ کہ ان کے رعب میں آ کر جبر و اکراہ سے اپنی صاحبزادی ان کے حبالہ عقد میں دی تھی۔ اور جبر و اکراہ کی جس قدر روایات ہیں وہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں۔ وگرنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بے غیرتی اور بزدلی کا ایسا بدنما داغ لگتا ہے جس کو اُن کے سارے نام نہاد محبّ بھی اگر دھونا چاہیں تو دھو نہیں سکتے۔ اندازہ فرمایئے کہ ایک طرف تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہادری کی مختلف داستانیں گھڑی گئیں اور ان کے منہ سے یہ کہلوایا گیا کہ:

”اگر سارا عرب بھی میرے مقابلہ میں آ جائے تو میں اُن کی گردنیں اتارنے میں جلدی کرتا رہوں گا“

(نہج البلاغہ، خطبہ: ۴۵، ص: ۱۴۸۔ مناقب آل ابی طالب، جلد: ۳، ص: ۳۶۱)

اور دوسری طرف یہ کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے خوف زدہ ہو کر اپنی صاحبزادی سیدہ اُمّ کلثوم کا نکاح جبر و اکراہ کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ ان دونوں باتوں میں کسی معقول آدمی کو کوئی مطابقت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ کہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ شیرِ خدا، فاتحِ خیبر، اسد اللہ الغالب اور کہاں اس قسم کی بزدلی کا مظاہرہ؟

ایک شبہ کا ازالہ:

سیدہ اُمّ کلثوم کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آنے پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو اُمّ کلثوم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نہ تھیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ بات بھی تاریخی اور عقلی طور پر غلط ہے کیونکہ:

۱۔ شیعہ حضرات کی متعدد روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اُمّ کلثوم کے گھر آئے اور ان کو عدت گزارنے کے لیے اپنے گھر لے گئے۔ (ملاحظہ ہو: فروع کافی، جلد: ۲، ص: ۳۱۱، باب المتوفی عنہا زوجہا المدخول بہا این تعتدّ و ما یجب علیہا، الاستبصار، جلد: ۳، ص: ۱۸۵، ۱۸۶۔ تہذیب الاحکام، ص: ۲۳۸، باب عدۃ النساء وغیرہم)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ہی کو گھر لے جا سکتے تھے۔ پرائی بیٹی کو کیسے اپنے گھر لے جا سکتے تھے اور وہ بھی اپنے دشمن کی بیٹی کو۔

۲۔ کسی شیعہ امام نے یہ نہیں لکھا کہ اُمّ کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ بلکہ وہ تو اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کو ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی مانتے تھے۔

۳۔ کسی محدث اور مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ اُمّ کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں بلکہ اُن کا نکاح اور لوگوں سے ہوا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

”اُمّ کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا۔ ان کی شادی شروع میں طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن مرو بن کعب کے ساتھ ہوئی جن سے دو بچے پیدا ہوئے زکریا اور یوسف۔ چنانچہ جب طلحہ بن عبید اللہ جنگِ جمل میں شہید ہو گئے تو پھر اس کی شادی عبدالرحمٰن بن عبداللہ کے ساتھ ہوئی۔ اور ان سے اُن کے الاحول موسیٰ، اُمّ حمید اور اُمّ عثمان نامی بچے پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، جلد: ۸، ص: ۴۶۲، بیروت)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید صبیح ہمدانی

قطب الارشاد، شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ

کا ایک الہامی افادہ

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت، صحابہ رضی اللہ عنہم کے منصب محفوظیت کے ساتھ ساتھ بشری ابتلا اور باہمی اختلافات وغیرہ کی حکمت وحیثیت کی ایک معرفت آمیز توجیہ''

جماعتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد رسالت کی عملی گواہی ہے۔ یہ جماعت اپنی نہاد میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تجسیم وتنفیذ کی اوّلین شکل ہے۔ اس مبارک جماعت کے افراد وارکان دین فہمی اور دین حاصل کرنے کا سب سے پہلا اور سب سے بنیادی ذریعہ ہیں۔

دینِ اسلام یعنی عبادات، عقائد اور معاملات واخلاق کا وہ نظام جو سید ولد آدم سیدنا ومولانا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس دین کا ہم تک اور ہر زمانے تک پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ صرف اور صرف یہی قدسی صفت نفوس طیبہ ہیں۔ اور چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ بذاتہ تعالیٰ خود لے رکھا ہے اس لیے اس جماعت کی بحیثیت مجموعی وبحیثیت افراد دین داری اور ثقہ وعادل وامین ہونے کو بھی اللہ تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسے محفوظیتِ صحابہ کہا جاتا ہے۔

بعض ناخواندہ، کم علم اور کمزور طبیعت کے لوگ جب سیرت صحابہ میں مذکور بہت سے جھوٹے اور چند سچے ایسے واقعات کو دیکھتے ہیں جن میں کسی صحابی سے کسی بشری کمزوری کا ارتکاب نظر آتا ہے۔ تو خدانخواستہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت سے بدگمان ہو کر عظیم اعتقادی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اختلافاتِ صحابہ اور مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں ہر زمانے میں علما نے صحیح وصائب فکر کی طرف اُمّت کی رہنمائی فرمائی ہے۔

پیش آمدہ سطور میں شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس اللہ سرہٗ کا ایک ملفوظ نقل کیا گیا ہے جس میں ان مسائل کی ایک نہایت شان دار اور بے غبار توجیہ کی گئی ہے جو اپنی شان کے اعتبار سے بلاشبہ الہامی ہے۔

قائد احرار جانشینِ امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نوّر اللہ مرقدہٗ جو خود بھی ایک واسطے (حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ) سے صاحب ملفوظ کے سلسلے سے منسلک تھے، اس ملفوظ سے بہت محبت رکھتے تھے اور اپنے خطبات میں اہتماماً سنایا کرتے اور اپنے جریدے ''الاحرار'' میں شائع بھی فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملفوظ کے الفاظ غیر معمولی روحانیت اور وجدانی حظ و سرور کے حامل ہیں۔ پڑھیے اور قلب و نظر کی طراوت اور ایمان کی تازگی و قوت حاصل کیجیے۔

''ایک مرتبہ بعدِ عصر حسبِ معمول آپ صحنِ باغ میں چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام حاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنائے بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہ کرام کی باہمی جنگ و رنجش کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعتاً حضرت کو جوش آ گیا اور مہرِ سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا:

''راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمامی ضروریات دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لیے تشریف لائے تھے، اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لیے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے حوادث و واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی۔ (تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک ہر معاملہ میں شمعِ ہدایت بن جائے) کہ اُن پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیے۔ پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے، ایک وہ جو منصبِ نبوّت کے خلاف نہ تھے، وہ تو خود حضرت پر پیش آئے مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا، اُن کا مرنا دفنانا، کفنانا وغیرہ۔ تمام خوشی و غمی کے واقعات حضرت کو پیش آ گئے اور دنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ اور کسی کی ولادت، ختنہ اور نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلافِ سنّت۔ مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمتِ رسالت کے خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیمِ محمدی ناتمام رہے۔ مثلاً زنا چوری وغیرہ ہو تو اس طرح سے عدد تعزیر ہونا چاہیے۔ اور باہم جنگ و قتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع اور رنجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہیے۔ یہ اُمور ذاتِ محمدی پر پیش آنا کس طرح مناسب نہ تھے۔ اور ضرورت تھی پیش آنے کی (اگر اس وقت جاری نہ ہو جاتیں تو کون جاری کرتا کہ اب اس کے باوجود بھی لوگ کنارہ کش ہو رہے ہیں) لہٰذا حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدّام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں؟ جو اُمور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں۔ اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جاوے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ پر وہ سب کچھ پیش آ گیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لیے رشد و ہدایت بنا۔ اور دنیا کے ہر بھلے، برے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے۔ اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب ہے۔ پس کوئی ہوا ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دینِ محمد کی خاطر ہر

© rasailojaraid.com